خاندانی تعلقات میں نفقہ کا اسلامی تصور

Islamic Vies of Expenses among family Relations

ابوالحسن شبیر احمد *

ڈاکٹر ضیاء الرحمن*

ABSTRACT

In human life, family relations are of basic importance. In the Islamic Law, the proportion of rights and obligations amongst the relatives is in accordance with human nature. The nature of relations amongst family members has been brought into light with Islamic and Natural perspectives. Amongst those rights and obligations, the responsibility for expense is of primary importance, because its clear understanding illustrates the reality of all the family relations which causes the positive effects on the whole society.

In this article, by discussing the expense (rights and obligations) of relatives, the Islamic instructions, basic philosophy, general effects, necessity and its importance has been brought into light. All facts have been presented under two heads of expense (rights) of wife and expense (rights) of the relatives.

But, in the light of Quran and Hadith, it has been agreed by all the Islamic Jurisprudents, upon the necessity/obligation/ compulsion of the right of expense for the relatives just like the right of expense for a wife.

In this article and attempt has been made to clarify that, in a family setup, how much importance has to be given to the rights and duties/obligations of a wife?

Keywords: family relations, rights, obligations, expenses,

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

** لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ میں اگر کسی ایک مؤثر ترین تاریخ ساز عامل کی تلاش کی جائے تو یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس میں سرفہرست تعلیم آتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو اپنا خلیفہ اور نمائندہ مقرر کرنے کے لیے سب سے پہلے جس چیز سے اسے آراستہ کیا وہ علم تھا اور اپنے تمام انبیاء علیہ السلام کو جو کام سونپا اس میں تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفس کو مرکزیت حاصل ہے۔

خاندانی تعلقات میں نفقہ کا اسلامی تصور

ہر انسان کی بنیادی ضروریات اور اس کی قلبی تسکین کا حصول اس کے قریب ترین افراد پر منحصر ہے۔ جن کی مدد سے وہ جہانِ رنگ وبو میں قدم رکھتا ہے اور انہیں کی محبت اور شفقت کے ذریعے وہ اپنے بچپن اور بعد کے اکثر مراحل زندگی طے کرتا ہے اور ان کے مالی اور غیر مالی تعاون سے وہ زندگی بھر محظوظ ہوتا ہے۔

شوہر بیوی، ماں باپ، اولاد، بہن بھائی، ددھیال، ننھیال، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ جیسے تمام الفاظ ہر زبان میں موجود ہیں اور تاریخ کے ہر دور میں ان الفاظ کو ان کے اسی تناظر میں دیکھا گیا ہے اور ان سے وابستہ محبت اور احساس کے ثمرات کو محسوس کیا گیا ہے۔

دنیا بھر کے لوگ اپنی موت وحیات کے اکثر ظاہری اور باطنی تقاضے خاندان کے ذریعے پورے کرتے ہیں۔ وہ خوشی اور غمی کے اوقات میں اپنے خیالات اور دل کا بوجھ انہیں کے سامنے پیش کرکے ذہنی وقلبی سکون پاتے ہیں، انہیں تمام محرومیوں کا مداوا، جسمانی صحت اور ذہنی صلاحیتوں کی حفاظت ابتدائی اور بنیادی اعتبار سے خاندانی ذرائع سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے جو شخص ان رشتوں سے دور ہوا اس کا دل ان کے لیے ہمیشہ بے چین رہا اور اس کی روح بے تاب رہی۔

قرآن مجید میں تخلیق انسانی کی مناسبت سے فرشتوں کے دو سوالوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا سوال یہ کہ کیا انسان کی صورت میں ایسی مخلوق پیدا کی جارہی ہے جو زمین پر فساد برپا کرے گی؟ اور دوسرا سوال یہ کہ ہم تسبیح وتحمید اور تقدیس تو کررہے تھے پھر انسان کی تخلیق کا کیا مقصد ہے؟[1]۔

مذکورہ سوالات کے جواب میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود ہے کہ تخلیق انسانی کا مقصد اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور اس کا علم فرشتوں کو نہیں ہے لیکن قرآن مجید میں ان سوالوں کو ذکر کرکے دو باتیں واضح کی گئیں:

۱۔ یہ کہ انسانوں کی شیطانی خواہشات کی بنا پر ان کے مابین فساد اور عداوت یقینی امر ہے۔

۲۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں جیسی پاکیزہ مخلوق کی زبان سے یہ ظاہر کر دیا کہ انسان کی تخلیق کا مقصد محض اللہ کی رسمی عبادت نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اللہ کی غلامی، عبدیت اور فرمانبرداری کی بنیاد پر بنی آدم کے باہمی تعلقات کو درست رکھنا ہے۔

انسانوں کے باہمی تعلقات دو طرح سے وجود پذیر ہوتے ہیں:

۱۔ خاندان کی صورت میں۔

۲۔ معاشرے کی صورت میں۔

خاندانی تعلقات مرد و عورت کے مابین رشتۂ ازدواج سے وجود میں آتے ہیں اور پھر وہ رشتہ بچوں کی پیدائش کے بعد والدین کی شکل اختیار کرکے خاندانی نظام کا سرِعنوان بن جاتا ہے گویا کنبہ اور خاندان کی بنیاد رشتۂ ازدواج اور رشتۂ ولادت پر ہے۔ ان میں سے رشتۂ ولادت خالص ایک غیر اختیاری اور فطری معاہدہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ جس میں والدین کی بے مثال خدمات سر فہرست ہیں۔ پھر اس کے نتیجے میں اولاد بہن، بھائی، چچا پھوپھی اور باقی رشتہ داروں کی ذمہ داریاں عمل میں آتی ہیں۔ جن کی وجہ سے پورا خاندان اطمینان و سکون کا گہوارہ بن جاتا ہے اور خاندان کی تمام اطراف سے مخلصانہ تعلقات، حقوق و فرائض اور خدمات کے کئی سلسلے چل نکلتے ہیں اور نسل در نسل چلتے رہتے ہیں۔

اس کے برعکس معاشرتی روابط کا تعلق گھر سے باہر کی زندگی کے ساتھ ہے۔ جس کا دارومدار زراعت، صنعت، تجارت اور ملازمت کے سیاسی و معاشی اداروں اور ان کے اجتماعی نظم پر ہے۔ جہاں پر اشیاء اور خدمات کا تبادلہ اختیاری معاہدات اور باہمی معاوضات کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس بحث سے معاشرتی اور خاندانی تعلقات کے درمیان کئی فرق ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ پہلا فرق یہ کہ خاندانی تعلق کی پشت پر بالعموم موروثی فطری اور غیر ارادی رشتہ موجود ہے جس کے لوازمات کا تعین بچے کی پیدائش سے اپنے آپ ہو جاتا ہے اور فطری تقاضے کے تحت دنیا کا ہر

قانون اور خاص طور اسلامی قانون اسے تسلیم کرتا ہے۔ جبکہ غیر خاندانی تعلقات عموماً ایسے معاہدات کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں جنہیں انفرادی یا اجتماعی سطح پر اپنے اختیار سے وجود میں لایا جاتا ہے اور ان کی شرائط اور حدود و قیود کا تعین بھی کیا جاتا ہے۔

۲۔ **دوسرا فرق** یہ کہ خاندانی نظام کے تحت عموماً اشیاء و خدمات کا تبادلہ بلا معاوضہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ تبادلہ بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ ۔ اور معاشرتی نظام میں عمومی طور پر اشیاء و خدمات کی براہ راست خرید و فروخت ہوتی ہے اور مختلف پیمانوں اور میزانوں کے ذریعے قیمت کا تعین ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاشرتی نظام محض خود غرضی اور مادی مقاصد پر قائم ہوتا ہے۔ بلکہ بنیادی اصول یہ کہ دونوں نظاموں میں اخلاص، عدل اور مکمل خیر خواہی کا وجود از حد ضروری ہے البتہ مذکورہ فرق کا تعلق ظاہری پیمانوں کے اعتبار سے ہے کہ خاندانی سطح پر خدمات کا تبادلہ کسی عوض کے حصول کے لئے نہیں ہوتا بلکہ فطری تعلق کی بنا پر ہوتا ہے۔ مگر معاشرتی سطح پر جو شخص اخلاص کے ساتھ اور ایک معاہدہ کے تحت کوئی خدمت انجام دیتا ہے تو اسے یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی خدمت اور محنت کا ظاہری معاوضہ بھی وصول کرے۔

۳۔ **تیسرا فرق** یہ کہ خاندانی تعلقات فطری لحاظ سے مستقل ہوتے ہیں۔ ان رشتوں میں تبدیلی پیدا کرنا ممکن نہیں ہے۔ نزدیکی اور دوری ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ باپ ہمیشہ باپ اور بیٹا ہمیشہ بیٹا رہتا ہے خواہ جتنی دوری اختیار کرلی جائے۔ لیکن معاشرتی روابط غیر مستقل ہوتے ہیں۔ ان کے لین دین اور شراکت داری میں آئے دن تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

اس حوالے سے میاں بیوی کا رشتہ بظاہر اگرچہ ایک اختیاری معاہدہ کے تحت معرض وجود میں آتا ہے اور انسانی تقاضوں کی وجہ سے طلاق و فرقت کی شکل میں اس تعلق میں کراہت کے ساتھ انقطاع اور تبدیلی کو جائز کہا گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ رشتہ قرابت داری کی بنیاد اور خاندانی نظام کی خشت اوّل ہے۔ اسی کی وجہ سے والدین، اولاد اور بہن بھائیوں کے تمام تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور اس کے انقطاع سے باقی رشتے متاثر ہوتے ہیں اور انسانی فطرت اس کے انقطاع کو ناپسند کرتی ہے۔ اس لئے اسلام میں مجموعی طور پر ازدواجی رشتہ کو بھی رشتۂ ولادت کی طرح کا تقدس دیا گیا ہے۔ حرمت مصاہرت اور احکام میراث اس کے اہم پہلو ہیں اور نفقہ کے احکام میں تو اسے باقی تمام رشتوں پر فضیلت و فوقیت دی گئی ہے۔

خاندانی اور معاشرتی اداروں کے مذکورہ فرق کے پیش نظر اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ازدواجی اور خاندانی تعلقات کو سرمایہ دارانہ ذہنیت سے ناپا تولا جائے یا ان کی خدمات کی خرید و فروخت کی جائے۔ اور یہی فطرت انسانی کا تقاضا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچے کو ماں کے دودھ یا ماں کی تربیت کا متبادل دیا جائے تو اس کی صحت اور اس کے مزاج میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر حادثاتی طور پر کوئی بچہ ان چیزوں سے محروم ہو جائے تو اسے خاندان کے اندر رکھتے ہوئے اس محرومی کا بہتر علاج ممکن ہوتا ہے لیکن جان بوجھ کر پورے معاشرے کو خاندانی خدمات اور اعلیٰ اقدار سے محروم کرنا نئی نسل کے اجتماعی فساد کا موجب ہے۔ جدید تہذیب میں جس کا واضح مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی نظام حیات میں ضرورت مند افراد کے اخراجات کی ذمہ داری خاندانی اور معاشرتی دو مختلف شعبوں میں منقسم ہوتی ہے، ایک کنبے کا سرپرست اپنے اہل و عیال اور حاجت مند اہل قرابت کی بنیادی ضروریات کا ذمہ دار ہوتا ہے جبکہ معاشرے کے دوسرے ضرورت مند افراد کے اخراجات کی ذمہ داری ارباب اقتدار پر عائد کی جاتی ہے۔ ان دونوں میں سے اوّل الذکر ذمہ داری اسلام کا قانون نفقہ ہے جس کا تعلق انسان کی خاندانی اور عائلی زندگی سے ہے۔

نفقہ کے لغوی معنی فنا ہو جانے اور مٹ جانے کے ہیں۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے:" **نفق ماله ودرهمه وطعامه "اى نفد وفنى وذهب"**[۲]

ترجمہ: اس کا مال ختم ہو گیا، مٹ گیا اور اس کے قبضہ سے نکل گیا۔

اس حوالہ سے اس لفظ کی نسبت مال کی طرف ہو تو مال خرچ کرنے کے معانی لیے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے: ﴿**وَأَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم**﴾ [۳]

ترجمہ: جو ہم نے تمھیں رزق دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:((**أ عظمُها أجراً الذى أنفقته على أهلك**)) [۴]

ترجمہ: سب سے بڑا ثواب اس میں ہے جو تم اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے ہو۔

دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ فرمایا:((**أفضل الدينار ينفقه الرجل على عياله**)) [۵]

ترجمہ: جو رقم ایک شخص اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے وہ رقم زیادہ فضیلت کی حامل ہے۔

لفظ نفقہ اسی مادہ سے اسم مصدر ہے، اس کی جمع نفقات، نفاق اور انفاق آتی ہیں[۶]۔

اس کا فقہی اصطلاحی مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:

۱۔ محمد شربینی خطیبؒ لکھتے ہیں:"هوالإخراج ولا يستعمل إلا فى الخير" (۷)

ترجمہ:اس سے مراد بھلائی کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔

۲۔ علامہ ابن ہمامؒ نفقہ کی وضاحت یوں کرتے ہیں:"الإدرار على الشيء بما به بقائه"(۸)

ترجمہ:جن چیزوں پر زندگی کی بقاء کا مدار ہو وہ چیزیں مسلسل مہیا کرنا۔

۳۔ حنبلی فقہ کے امام ابراہیم بن محمد بن سالم بن ضویان لکھتے ہیں:

"مايجب على الإنسان من النفقة بالنكاح والقرابة والملك"(۹)

ترجمہ:نفقہ سے مراد وہ اخراجات ہیں جو ایک انسان پر نکاح، قرابت داری یا ملکیت کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں۔

۴۔ شیخ محمد بن حسن بنانی مالکی نفقہ کی تعریف کرتے ہیں:

"النفقة مابه قوام معتاد حال الآدمى دون سرف" (۱۰)

ترجمہ: ایک انسان عمومی عادت کے مطابق اور فضول خرچی کے بغیر ان چیزوں کا خرچہ اُٹھائے جن پر انسانی زندگی کا انحصار ہو۔

۵۔ علامہ منصور بن یونس بہوتی رقم طراز ہیں:

"كفاية من يمونه خبزاً وإداماً وكسوة ومسكناً وتوابعها"(۱۱)

ترجمہ: زیر کفالت لوگوں کو خوراک، لباس، رہائش اور ذیلی اشیاء اتنی فراہم کی جائیں جو ان کے لیے کافی ہوں۔

۶۔ سعودی عرب کے قانون ساز ادارہ، "إدارة البحوث العلمية" کے رکن صالح بن فوزان اس تعریف کو عرف وعادۃ کی قید کے اضافہ کے ساتھ زیادہ جامعیت سے یوں پیش کرتے ہیں:

"كفاية من يمونه بالمعروف قوتا وكسوة وسكنا وتوا بعها"(۱۲)

ترجمہ: زیر کفالت افراد کو عرف کے مطابق خوراک، لباس، رہائش اور اس کی ذیل اشیاء اس طرح مہیا کی جائیں کہ ان کے لیے کافی ہوں۔

ان تمام تعریفوں کی مدد سے شرعی نفقہ کی درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

i. ایک شخص دوسرے شخص کا خرچہ مسلسل اُٹھائے۔

اس خرچہ میں اس دوسرے شخص کی وہ تمام ضروریات شامل ہوں جن پر اس کی زندگی کا انحصار ہو۔

یہ خرچہ صرف ان لوگوں کا برداشت کیا جاتا ہے جو نکاح، قرابت داری یا ملکیت اور ماتحتی کی وجہ سے کسی کی کفالت میں آتے ہوں۔

ii. یہ خرچہ ان کی ضروریات کے لیے مناسب اور کافی ہو۔

iii. یہ خرچہ عرف عام کے مطابق ہو۔

iv. اس خرچہ میں بھلائی کے کام شامل ہوتے ہیں نہ کہ خلاف شرع اور فضول اخراجات [۱۳]

ان حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے نفقہ کی جامع تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

"ایک ذمہ دار فرد اپنے زیر کفالت افراد کو ان کی ضروریات زندگی کا خرچہ ذاتی طور پر اور عرف عام کے مطابق اس طرح مہیا کرے کہ وہ ان کے لیے مناسب، کافی ہو اور شرعی احکام کے مطابق ہو"۔

اس جامع تعریف میں مذکورہ بالا خصوصیات نفقہ کے علاوہ ایک نئی خصوصیت یہ شامل کی گئی ہے کہ نفقہ ذاتی اور خاندانی طور پر ادا کیا جاتا ہے نہ کہ اجتماعی طور پر۔

اس سے نفقہ اور انفاق کے درمیان کئی فرق واضح ہوتے ہیں:

i. نفقہ انفرادی طور پر صرف اپنے اہل وعیال اور زیر کفالت افراد سے مخصوص ہے اس لیے اسے کفالت خاصہ کہا جاتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ میں اس کے برعکس اجتماعی اموال کے ذریعے معاشرے کے ضرورتمندوں کی کفالت کی جاتی ہے اس کا دوسرا نام کفالت عامہ ہے [۱۴]۔

ii. نفقہ میں اپنی حیثیت کے دائرے میں رہتے ہوئے مکمل کفالت کی جاتی ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ میں کسی کی کفالت میں اپنا مخصوص حصہ شامل کیا جاتا ہے۔ جیسے زکوٰۃ دینے والا کسی مسکین کی کفالت کا ذمہ نہیں اُٹھاتا بلکہ اپنی آمدنی کا محض مخصوص حصہ سرکاری بیت المال میں جمع کرانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

iii. نفقہ میں ایک فرد کسی مستحق کی ضروریات کا مسلسل ذمہ دار رہتا ہے تا آنکہ کسی وجہ سے اس کی ذمہ داری کا اختتام ہو جائے لیکن انفاق فی سبیل اللہ میں ایک فرد اپنا حصہ جمع کرا کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتا۔

iv. نفقہ ایک شخص پر اس کی مالی استطاعت کے مطابق ہر حال میں واجب ہوتا ہے خواہ وہ خوش حال ہو یا تنگ دست۔ اس لیے عرف کے مطابق امیر اور غریب کے نفقہ کی ذمہ داری میں فرق پایا جاتا ہے جبکہ انفاق فی سبیل اللہ صدقات واجبہ کی صورت میں صرف صاحب نصاب پر فرض ہوتا ہے۔

v. نفقہ کی مقدار اپنے وقت اور حالات کے ساتھ بدل جاتی ہے اس میں زیر کفالت افراد کی ضروریات و حاجات ان کی معاشی سطح کے مطابق پوری کی جاتی ہیں اس کے برعکس زکوٰۃ، عشر، خمس اور دیگر صدقات واجبہ میں اپنے مال کی ایک خاص شرح ادا کی جاتی ہے[۱۵]۔

vi. اسلام کے نظام نفقہ میں اہل و عیال اور حاجت مند اہل قرابت کی پیدائش سے لے کر وفات تک کی تمام بنیادی ضروریات شامل ہیں جن کی کیفیت و کمیت مختلف اوقات و احوال میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اسلامی قانون نفقہ میں ان تمام احوال کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

نفقۂ بیوی:

قانون نفقہ کے دو اہم حصے ہیں: نفقۂ بیوی اور نفقۂ اقارب۔ اس لئے دونوں کے مختلف فطری احوال کی وجہ سے وجوب نفقہ کے اسباب، شرائط، قواعد و ضوابط، نفقہ کی مقدار اور اس کے دائرۂ کار میں دونوں کا فرق ہے۔ بیوی کے نفقہ کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ڈالی گئی ہے جو نکاح اور بیوی کی رخصتی سے لے کر دونوں کی جدائی کی عدت یا دونوں میں سے کسی کی وفات تک جاری رہتی ہے اور بیوی کے مالدار ہونے کے باوجود بھی قائم رہتی ہے۔ بیوی کا نفقہ میاں بیوی دونوں کے معاشرتی معیار کے مطابق جبکہ اقارب کا نفقہ بوقت ضرورت اور بقدر کفایت واجب ہوتا ہے۔

اسلام نے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مرد و عورت کی حیثیت سے جوڑے کی شکل میں تخلیق کیا ہے۔ یعنی انسان کی یہ دونوں اصناف و اجناس اپنی زندگی کے قیام کے لئے برابر طور پر ایک

دوسرے کی محتاج ہیں۔ اس لئے میاں بیوی کی ازدواجی زندگی کا آغاز دونوں کے باہمی رضامندانہ معاہدہ سے ہوتا ہے جسے نکاح کا نام دیا گیا ہے۔

نکاح کے ذریعے دونوں کے مابین ایسے مشترکہ منافع اور حقوق و فرائض قائم ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کا بدل ہیں اور دونوں کی فطری ساخت کے مطابق ہیں کہ شوہر پر بیرون خانہ اور بیوی پر اندرون خانہ کی ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں اور مرد کسب معاش سے بیوی کا نفقہ ادا کرتا ہے۔ اس لئے بیوی کا نفقہ کسی ضرورت مند کی مدد اور تعاون کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق "نفقہ" بیوی کا وہ حق منصبی ہے جو ایک فریضہ کے طور پر مرد کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے۔

امام کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"إن المرأة محبوسة بحبس النكاح حقاً للزوج، ممنوعة من الاكتساب بحقه فكان نفع حبسها عائد إليه فكانت كفايتها عليه "[١٦]

ترجمہ: بیوی نکاح کی وجہ سے شوہر کے حقوق کی ادائیگی کے لئے پابند ہے، اس کے لئے ایسا کسب معاش ممنوع ہے جس سے شوہر کے حقوق تلف ہوں اور اس کی اس پابندی سے شوہر فائدہ اُٹھاتا ہے اس لئے بیوی کی مالی کفالت شوہر پر لازم آتی ہے۔

معروف فقیہ مصطفی احمد زرقاؒ لکھتے ہیں:

"والزواج علاوة على مايثبت به من حل الاستمتاع بين الزوجين، ينشئ حقوقا ووجائب متقابلة بينهما من مالية وأسرية؛ منها نفقة الزوجة"[١٧]

ترجمہ: نکاح اور شادی کے ذریعے زوجین کے درمیان [مشترکہ] منافع کی حلت کے علاوہ، ایسے حقوق و فرائض قائم ہوتے ہیں جو دونوں کے مابین ایک دوسرے کے بدلے میں ہیں، وہ حقوق و فرائض مال اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور نفقہ انہیں میں ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾[١٨]

ترجمہ: مرد عورتوں کے نگران ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لیے مرد اپنے اموال ان پر خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں مردوں کو قوام کہا گیا ہے جس کے معنی نگران اور محافظ کے ہیں (۱۹)۔ قرآن مجید میں اس لفظ کا مادہ دین اور نماز کے مکمل نظام کے قیام کی مناسبت سے بھی ذکر کیا گیا ہے (۲۰)۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ گھریلو اور خاندانی نظام کے قیام کے لیے مردوں پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے تمام ضروری اخراجات اس طرح برداشت کریں کہ ان کی زندگی کو مکمل طور پر تحفظ حاصل ہو جائے۔ اس طرح خاندانی نظام کے بقاء و استحکام کے نقطۂ نظر سے مرد کو عورت پر سربراہ کی حیثیت دی گئی ہے اور عائلی قوانین کی بنیاد اسی بات پر رکھی گئی ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر کی حیثیت سے صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا)) (۲۱)

ترجمہ: تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور وہ اپنی نگرانی کے بارے میں جوابدہ ہوگا، پس حکمران اپنی رعایا کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا، اسی طرح مرد اپنے اہل و عیال کا نگران ہے اور وہ بھی اس سلسلے میں جوابدہ ہوگا اور بیوی بھی اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اس سے بھی اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔

اس حدیث سے مرد کے لیے گھریلو نظام کی دیکھ بھال اور ذمہ داری کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ اگر وہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کا مرتکب ہوگا تو اس کے خلاف بیوی کو شکایت کرنے کا اور مقتدر قوتوں کو سوال کرنے اور سزا دینے کا حق حاصل ہوگا اور اُخروی حوالے سے بھی اس کی کوتاہی کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمان نبوی ہے:

((كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يَحْبِسَ، عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوتَهُ)) (۲۲)

ترجمہ: ایک شخص کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت لوگوں کا نفقہ ادا نہ کرے۔

بیویوں کی ذمہ داری کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَہُنَّ فَعِظُوۡہُنَّ وَاہۡجُرُوۡہُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡہُنَّ ۚ فَاِنۡ اَطَعۡنَکُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡہِنَّ سَبِیۡلًا﴾ (۲۳)

ترجمہ: نیک بیویاں وہ ہیں جو فرمانبردار ہوں اور شوہر کی عدم موجودگی میں اللہ کے محفوظ کردہ امور کی حفاظت کرنے والی ہوں اور جن عورتوں کی سرتابی کا تمھیں اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، ان سے اپنی آرام گاہیں الگ کرلو اور انہیں ضرب لگاؤ، جب وہ دوبارہ تمھاری فرمانبرداری اختیار کرلیں تو تمھیں ان کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کی اجازت نہیں ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ازدواجی زندگی کے بہت سے احکام کو اجمالی اور اصولی انداز بیان میں سمودیا گیاہے، اس میں بیوی کو اپنے شوہر کی ایسی نافرمانی سے منع کیا گیاہے جس سے دین، خاندان اور شوہر کے حقوق متاثر ہوں اور اس بنا پر شوہر کو اصلاحی اختیارات دے کر یہ حکم دیا گیا کہ وہ بغاوت اور کھلے معاصی کی صورت میں ازخود معمولی سرزنش کا اختیار رکھتاہے لیکن جب بیوی اللہ کی اطاعت گزار اور شوہر کی فرمانبردار ہو تو اس سے ناانصافی اور زیادتی کرنا ظلم اور قابل گرفت ہے۔

معلوم ہوا اسلامی تعلیمات کے مطابق میاں بیوی دونوں کے فرائض کا تعین کرکے شوہر کو گھریلو جملہ امور میں اللہ کے احکام کی حفاظت کے لئے نگران مقرر کیا گیاہے۔ یہ اضافی ذمہ داری درحقیقت مرد کے کندھوں پر اللہ تعالیٰ کی امانت کا بوجھ ہے تاکہ مرد زیادہ احساس ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے بیوی کی شخصی آزادی کا مکمل خیال رکھے، یک طرفہ طور پر اپنی خواہشات اس پر مسلط نہ کرے بلکہ اپنے اور بیوی کے حقوق کی تکمیل میں اصلاحی کردار ادا کرے تاکہ گھریلو امور میں دونوں کی یکجہتی سے ایک نہایت پرسکون ماحول پیدا ہو، دونوں ہر قسم کی غیر اخلاقی وابستگی اور بے راہ روی سے محفوظ رہیں، ان کی سرپرستی میں تربیت پاکر صالح نسل پروان چڑھے۔

اس پس منظر میں فقہاء اسلام نے بیوی کے نفقہ کا سبب، شرائط اور اس کے قواعد وضوابط منضبط کئے ہیں، شوہر اور بیوی دونوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے مختلف احوال میں نفقہ کے احکام بیان کئے ہیں، مثلاً شوہر اور بیوی کی کم سنی، بیماری، عدم موجودگی، ان کا غیر مسلم ہونا، بیوی کی نافرمانی یا اس کی عدت کی مختلف صورتیں، بیوی کی طرف سے شوہر کو نفقہ کی ذمہ داری سے بری کرنا، بیوی کا سابقہ نفقہ اور اس طرح

کی کئی اور صورتیں جن میں سے بعض میں نفقہ کے وجوب کا اور بعض صورتوں میں عدم وجوب کا حکم دیا گیا ہے۔ اور انہیں احکام میں فقہاء کی آراء میں اختلاف بھی پیدا ہوا ہے۔ یہ تمام تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

نفقہ اقارب:

اقارب کا نفقہ بھی بیوی کے نفقہ کی طرح کتاب و سنت کی روشنی میں بالاتفاق تمام فقہی مکاتب کے قوانین کے مطابق واجب ہے۔ البتہ اقارب کے دائرہ کار میں فقہائے اسلام کی چھ مختلف آراء موجود ہیں:

i. فقہائے مالکیہ کے نزدیک بیوی کے نفقہ کے علاوہ، اولاد کا نفقہ والد پر اور والدین کا نفقہ اولاد پر واجب ہے۔ اس کے علاوہ کسی قرابت دار کا نفقہ واجب نہیں۔

ii. شوافع کہتے ہیں کہ اصولی اور فروعی اقارب کا نفقہ ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

iii. امام اوزاعیؒ کا مؤقف ہے کہ ہر ضرورت مند رشتہ دار کا نفقہ ادا کرنا اس کے صرف قریبی مذکر عصبہ کی ذمہ داری ہے۔

iv. حنابلہ کے ہاں غیر عمودی ذوی الارحام کے علاوہ باقی تمام اقارب کا نفقہ لازم ہے۔

v. پانچواں قول احناف کا ہے کہ ہر نادار رشتہ دار کا نفقہ اس کے قریبی محرم رشتہ داروں پر واجب ہے، غیر محرم اقارب کا نفقہ واجب نہیں۔

vi. چھٹا مذہب امام ابن حزمؒ کا ہے، امام ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ نفقہ کی ذمہ داری سے کوئی رشتہ دار بھی مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ تمام اقارب جس طرح میراث کے مستحق ہیں اسی طرح وہ باہم ایک دوسرے کے نفقات کے ذمہ دار بھی ہیں۔

فقہائے کرام کی مذکورہ چھ آراء کا خلاصہ یہ کہ تمام مذاہب نفقہ اقارب پر متفق ہیں مگر ان میں سے ابتدائی پانچوں مذاہب نے اپنے مخصوص رجحان اور مخصوص دلائل کی بنا پر بعض اقارب کو نفقہ کی ذمہ داری سے مستثنا قرار دیا ہے۔ جیسا کہ شوافع نے غیر عمودی اقارب، اوزاعیہ نے غیر عصبات، حنابلہ نے غیر عمودی ذوی الارحام اور حنفیہ نے غیر محرم اقارب کے نفقہ کے عدم وجوب کا قول اختیار کیا ہے۔

جبکہ ظاہر یہ کسی ذی قرابت کو خارج کئے بغیر تمام اقارب کو درجہ بدرجہ نفقہ کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ کتاب وسنت، صحابہ کرامؓ کے عمومی رجحان اور مقاصد شرعیہ کے پیش نظر آخری قول قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے، اس لحاظ سے درج ذیل دلائل قابل ذکر ہیں:

۱۔ آیت مبارکہ ہے: ﴿ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ﴾ (۲۴)

ترجمہ: بچوں کے باپ پر لازم ہے کہ وہ بچوں کی ماؤں کو معروف طریقے کے مطابق ان کا کھانا اور ان کا لباس فراہم کرے، کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی، بچے کی وجہ سے اس کی ماں اور اس کے باپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے اور باپ کی عدم موجودگی میں بچے کی ذمہ داری اس طرح ان کے وارث پر ہوگی۔

اس آیت میں پہلے یہ بتایا گیا کہ بچے کی وجہ سے اس کی ماں کا نفقہ واجب ہے۔ اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ بچے کی وجہ سے اس کے والدین ایک دوسرے کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں۔ آخر میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی کہ بچے کے باپ کی عدم موجودگی میں ان کے وارث پر اسی طرح کی ذمہ داری ہوگی۔

۲۔ اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ﴾ (۲۵)

ترجمہ: اپنے رشتہ دار کا حق ادا کرو اور ہر محتاج اور مسافر کا بھی۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ اس سے پہلی والی آیات میں نہایت اہتمام سے والدین کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس مقام پر والدین اور مساکین کے حقوق کے درمیان اقارب کے حقوق کی ادائیگی کا حکم موجود ہے جبکہ اولاد کا علیحدہ تذکرہ نہیں کیا گیا بلکہ اقارب کے ذکر میں اولاد کا ذکر بھی شامل ہے۔ اب یہ بات بھی تو مسلّم ہے کہ والدین اور اولاد کا نفقہ واجب ہے، ان کو زکوٰۃ بھی نہیں دی جاسکتی جبکہ عام مساکین اجتماعی نظم کے تحت زکوٰۃ حاصل کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اقارب کے حقوق کو اولاد کے ساتھ ملا کر اور عام مساکین سے علیحدہ بیان کر کے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ان کا یہ حق ہے کہ انہیں عام مساکین کی حیثیت نہ دی جائے بلکہ اولاد کی طرح انہیں نفقہ مہیا کیا جائے۔ اس لئے فقہاء نے اس آیت سے اقارب کا نفقہ ثابت کیا ہے (۲۶)۔

۳۔ احکام میراث اور احکام نفقات کو اُن کے پس منظر کے تحت دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان مؤاخات کا معاہدہ طے ہوا جس کے تحت ہر مہاجر اور ہر انصاری کو ایک دوسرے کی میراث کا حق دار بنایا گیا اور پھر یہ حکم منسوخ کرکے یہ فیصلہ صادر کیا گیا[۲۷]۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ [۲۸]

ترجمہ: ہم نے والدین اور قرابت داروں کی جائیداد کا حق دار ان کے رشتہ داروں کو بنادیا ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا گیا[۲۹]

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ [۳۰]

ترجمہ: قرابت دار ہی ایک دوسرے کے سب سے زیادہ تعلق دار ہیں۔

مذکورہ سبب نزول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس طرح اس آیت کے نزول سے قبل مسلمانوں کی نصرت اور وراثت کا حکم مواخات کے معاہدہ سے متعلق تھا اسی طرح اس آیت کے نزول کے بعد اس نصرت اور وراثت کا حکم رشتہ داروں سے مخصوص ہو گیا اور مذکورہ آیت کا لفظ "اولیٰ" یہ ثابت کرتا ہے کہ اب نصرت اور میراث کے حوالے سے مسلمان قرابت داروں کا باہمی گہرا تعلق تسلیم کرلیا گیا ہے جس کی بناپر انصار اور مہاجرین کی طرح ہر مسلمان قرابت دار اپنے دوسرے قرابت دار کی موت سے پہلے اس کا مددگار اور موت کے بعد اس کی میراث کا حق دار قرار پایا ہے۔

ڈاکٹر زحیلی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ان رابطة القرابة فی الدم والنسب تکون سببا للتوراث والتناصر"[۳۱]

ترجمہ: خونی اور نسبی تعلق کو میراث اور مدد کا مستحق بنادیا گیا۔

۴۔ نفقۂ اقارب کی ایک اہم دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ [۳۲]

ترجمہ: وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں، اور جن تعلقات کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ رشتہ داروں سے تعلقات جوڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن کفار اللہ کے حکم کے خلاف ان تعلقات کو توڑ دیتے ہیں۔ معلوم ہوا قطع رحمی کفار کی بدترین صفت ہے جس کی وجہ سے اللہ کی زمین پر فساد برپا ہوتا ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔ ((**لا يدخل الجنة قاطع**)) (۳۳) ترجمہ: رشتوں کو توڑنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

اسی ضمن میں صحیح حدیث ہے "تم خرچ کا آغاز اپنی ذات سے کرو، اس سے جو بچ جائے تو وہ عیال پر خرچ کرو اور پھر جو بچے اس میں سے اپنے اقارب پر صرف کرو اور اس کے بعد بھی کچھ باقی ہو وعام ضرورت مندوں پر خرچ کرو (۳۴)۔

اسی طرح یہ بھی فرمان نبوی ہے ((**يوصيكم بالأقرب فالأقرب**)) (۳۵) ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتے یں کہ تم درجہ بدرجہ اپنے اقارب کا خیال رکھو۔

ایسے یہ بھی حدیث مبارکہ ہے:

((وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، أُمَّكَ وَأَبَاكَ، وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ، وَأَدْنَاكَ أَدْنَاكَ)) (۳۶)

ترجمہ: اپنے اہل وعیال سے نفقہ کی ابتدا کرو یعنی اپنے والدین، بہن بھائی اور اس کے بعد والوں اور پھر اس کے بعد والوں کا نفقہ دو۔

۵۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے متعلق یہ نقل کیا گیا "**جا ء يتيم إلى عمر رضى الله عنه فقال انفق عليه، قال عمر: لولم أجد إلا أقصٰى عشيرته لفرضت عليهم**" (۳۷)

ترجمہ: حضرت عمر کے پاس ایک یتیم بچہ لایا گیا اور آپ سے کہا گیا کہ آپؓ اس کا نفقہ جاری کر دیں۔ آپؓ نے فرمایا اگر مجھے اس بچے کے کچھ دور کے رشتہ داروں کا بھی علم ہو گیا تو میں ان پر اس کا نفقہ واجب کر دوں گا۔

۶۔ اسلامی احکام کا ایک بنیادی مقصد زیادہ سے زیادہ انسانی خیر خواہی کا حصول ہے اور یہ مقصد نفقۂ اقارب سے متعلقہ شرعی نصوص کے الفاظ کی دلالت سے بھی واضح ہو رہا ہے۔ مثال کے طور پر پہلی آیت کا حکم ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ﴾ نگران مرد کی وفات کے بعد اس کے بچے اور اس کی بیوہ کو تحفظ دینے کے لئے وارد ہوا ہے۔ اب اگر وراثت کے اصول کو نفقۂ اقارب سے علیحدہ رکھا جائے اور نفقۂ اقارب میں

مکمل توسیع اختیار نہ کی جائے تو کسی نہ کسی صورت میں یتیموں اور بیواؤں کے حقوق ضرور سلب ہوں گے اس لئے تمام اقارب کا نفقہ تسلیم کرنے میں قرآنی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے قطع رحمی کو ممنوع اور فساد فی الارض قرار دیا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ قریبی رشتہ داروں کی طرح دور کے رشتہ دار اور ذوی الارحام بھی نفقہ کے حق دار ہیں اور جس نے ان کی بنیادی ضروریات جان بوجھ کر فراہم نہ کرکے انہیں موت یا ذلت آمیز حالات کے حوالے کر دیا وہ قطع رحمی کا مرتکب ہو گا۔ مقالہ ہذا میں فقہاء کرام کے تفصیلی دلائل کا موازنہ پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے آخری مؤقف کی ترجیح کے طور پر مذکورہ دلائل و قرائن کافی معلوم ہوتے ہیں۔

نفقہ ٔ اقارب کی بنیاد معاہدہ ٔ رضامندی پر نہیں بلکہ ان فطری تعلقات اور رشتوں پر رکھی گئی ہے جنہیں انسان اپنی پیدائش کے ساتھ لے کر آتا ہے۔ نفقہ کی اس قانونی حیثیت سے اقارب کے مابین ایسے مشترکہ مالی منافع اور حقوق کا تعین ہوتا ہے جو وسیع تناظر میں ایک دوسرے کا بدل ہیں اور اقارب کے فطری احوال کے مطابق ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ اقارب کا نفقہ ایک خاندان کے باصلاحیت افراد کو کسب معاش پر آمادہ کرکے خاندان کے ہر فرد کے معاشرتی وقار کو بلند کرتا ہے پوری قوم میں اسراف و تبذیر کے رجحان کا خاتمہ کرکے قومی معیشت کے استحکام اور طبقاتی تقسیم کے سدباب کا ذریعہ بنتا ہے۔

مذکورہ بالا حقیقت اقارب کے نفقہ کی وہ بنیادی فلاسفی ہے جس کی بنا پر فقہ اسلامی میں نفقہ ٔ اقارب کے سبب، شرائط اور تمام قواعد وضوابط کو مرتب کیا گیا ہے اور مختلف احوال میں اقارب کے نفقات کی توضیح کی گئی ہے۔ معلوم ہوا ''اسلامی قانون نفقہ'' اسلامی معاشرے کا ایک مرکزی ستون ہے جس کے تحت ایک کنبے اور خاندان کے تمام افراد کے جملہ لوازمات زندگی کو تحفظ حاصل ہوتا ہے، ان کے گھریلو اور خاندانی فرائض و حقوق کا تعین ہوتا ہے اور اس کے ذریعے احترام آدمیت، حریت فکر و عمل، اخوت و ہمدردی، مساوات اور عدل جیسے اسلامی اصولوں کو اپنا کردار ادا کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) سورۃ البقرۃ:۳۰

۲) زبیدی، مرتضی، تاج العروس من جواہر القاموس، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء ص: ۱۳/ ۴۶۳؛افریقی، ابن منظور، لسان العرب، نشرادب الحوزہ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ، ص: ۱۰/ ۱۱۵؛وجدی، محمد فرید، دائرہ معارف القرن الرابع عشر دار لمعرفہ، بیروت، طبع دوم، ۱۹۷۱ء، ص: ۱۰/ ۳۴۶

۳) سورۃ المنافقون:۱۰

۴) امام مسلم، صحیح مسلم، بمع شرح منۃ المنعم، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء، ص:۲ /۹۵

۵) ایضاً، ۲/ ۹۴

۶) لوئیس معلوف، المنجد، دارالقرآن الکریم انتشارات اسماعیلیات، تہران، طبع ۲۳، ص۸۲۸؛بدران ابوالعینین بدران، احکام الزواج والطلاق فی الاسلام، دارالمعارف، سکندریہ، طبع دوم، ۱۹۶۴ء، ص:۲۰۸

۷) کوھجی، عبداللہ بن حسن، زادالمحتاج شرح منہاج، الشؤن الدینیہ، قطر، طبع اوّل، تاریخ طبع ندارد، ۳ /۵۶۳

۸) ابن الہمام، کمال الدین، شرح فتح القدیر، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ص: ۴ /۱۹۳۔نوٹ:عام طور پر اہل علم نے اسی اسلوب کو نمایاں کرکے اپنے اپنے انداز میں نفقہ کی تعریف کی ہے مثلاً عبدالرحمن جزیریؒ لکھتے ہیں کہ ایک شخص پر دوسرے شخص کی وہ ذمہ داری نفقہ کہلاتی ہے جو روٹی، سالن، لباس، رہائش اور ذیلی اشیاء کی صورت میں ادا کی جاتی ہے (جزیری، عبدالرحمن کتاب الفقہ علی المذاہب الاربع، داراحیاء التراث العربی، بیروت، طبع ہفتم، ۱۹۸۶ء ،ص: ۴ /۵۵۳)۔اس طرح پاکستان کے ایک فیصلہ میں نفقہ کو یوں واضح کیا گیا کہ کسی کی بہتری کے لیے اس کے وجود، تحفظ اور بقاء کو قائم رکھنے کے لیے اس کی خوراک، لباس، رہائش اور دیگر جسمانی اور ذہنی صحت کی ضروریات کا خرچہ برداشت کرنا۔

۹) ابراہیم بن محمد بن سالم بن ضویان، منارالسبیل، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع ششم، ۱۹۸۴ء، ص: ۲ /۲۹۷

۱۰) بنانی، محمد حسین، فتح الربانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اوّل ۲۰۰۲ء، ۴ /۷ ۳۴؛محمد بن علیش، شرح منح الجلیل علی مختصر الخلیل، مکتبہ النجاح، طرابلس، ص: ۲ /۴۳۰ ؛محمد جمع عبداللہ، الکواکب الدریہ فی فقہاءمالکیہ، مکتبہ کلیات الازہریہ، قاہرہ، طبع پنجم، ۱۹۸۱ء، ص: ۱/ ۲۶۸

۱۱) بہوتی، منصور بن یونس، کشاف القناع عن متن الاقناع، عالم الکتب، بیروت، ص: ۵ /۴۵۹

۱۲) صالح بن فوزان بن عبداللہ، الملخص الفقھی ، دارابن الجوزی، دمام، طبع پنجم، ۱۹۹۶ء، ص:۲ /۳۵۶

۱۳) ڈاکٹر تنزیل الرحمن نفقہ کی ایک اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے نفقہ کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ ایک شخص کا دوسرے شخص کی محنت کے معاوضہ میں اس کی ضروریات زندگی فراہم کرنا(ڈاکٹر تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین

اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، اشاعت دوم، ۱۹۶۵ء، ص: ۱/ ۳۰۷) ۔ یہ خصوصیت انہوں نے فقیہ عبدالرحمن جزیری کی طرف منسوب کی ہے۔ جبکہ جزیری کی تعریف میں یہ بات موجود نہیں ہے (دیکھئے: کتاب الفقہ، علی المذاہب اربعہ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، طبع ہفتم، ۱۹۸۶ء، ص: ۴/ ۵۵۳) راقم کی معلومات کے مطابق کسی بھی محقق عالم نے یہ قید ذکر نہیں کی کیونکہ اس کا اطلاق والدین، اولاد اور اقارب کے نفقہ پر نہیں ہوتا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ خاندانی نفقات میں معاوضہ حاصل کرنے کا مادہ پرستانہ تصور بطور مقصد کے موجود نہیں ہوتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بیوی کے نفقہ میں مخلصانہ خدمات کا تبادلہ آمنے اور بلاواسطہ طور پر موجود ہوتا ہے اور باقی قرابت داروں کے مابین خدمات کا تبادلہ بالواسطہ طور پر نسل در نسل جاری رہتا ہے۔

۱۴) غفاری، ڈاکٹر نور محمد، سرمایہ دارانہ نظام انشورنس اور اسلام کا نظام کفالت، ص:۳۵

۱۵) اس کی مختصر وضاحت یہ کہ جمع پونجی اور مال تجارت میں سالانہ اڑھائی فیصد، غیر بارانی اراضی کی ہر فصل پر پانچ فیصد، بارانی زمین کی ہر فصل میں دس فیصد اور مال غنیمت اور خزائن میں بیس فیصد صدقات واجبہ ہوتے ہیں مفتی محمد شفیع، احکام زکوٰۃ، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص:۲۲

۱۶) کاسانی، بدائع الصنائع، دارالکتب العربی، بیروت، طبع دوم، ۱۹۷۴ء، ص: ۴/ ۱۶

۱۷) زرقاء، المدخل الفقہی العام، مطابع الف باء، الادیب، دمشق، طبع نہم، ۱۹۶۸ء، ص: ۲/ ۵۶۴

۱۸) سورۃ النساء: ۳۴

۱۹) مفسر قرآن علامہ محمود آلوسی تحریر فرماتے ہیں "الناظر علی الشئی والحافظ لہ"، آلوسی، محمود، روح المعانی دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۴ء، ص: ۳/ ۲۴

۲۰) الشوریٰ:۱۳

۲۱) بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۳۸۷، حدیث نمبر ۲۴۰۹

۲۲) مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، بمع منۃ المنعم، ص: ۲/ ۹۵

۲۴) سورۃ النساء: ۳۴

۲۵) سورۃ البقرۃ: ۲۳۳

۲۶) سورۃ بنی اسرائیل: ۲۶

۲۷) ابن قیم، زادالمعاد، ص: ۵/ ۱۰-۴۱۔ ایٹھوی، ملاجیون، تفسیرات احمدیہ، مترجم: قاری محمد عادل خاں (قرآن کمپنی لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۸ء)، ص: ۲/ ۸۱ ۷

۲۹) بخاری، الصحیح الجامع، ص:۳۶۶

۳۰) سورۃ النساء: ۳۳

۳۱) طبری، جامع البیان، مصطفی البابی الحلبی، واولادہ، مصر، طبع دوم، ۱۹۵۴ء، ص: ۱۰ /، ۵۲؛ پانی پتی، التفسیر المظہری ،دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اوّل، ۲۰۰۷ء ، ص: ۳ / ۲۲۴

۳۲) سورۃ الانفال:۷۵

۳۳) الزحیلی، التفسیر الوسیط، دارالفکر، دمشق، طبع اوّل، ۲۰۰۱ء، ص:۱ / ۸۲۷

۳۴) البقرۃ: ۲۷

۳۵) بخاری، الصحیح الجامع، ص: ۱۰۴۸ ؛ترمذی، السنن، دارالسلام، ریاض، طبع اوّل، ۱۹۹۹ء،، ص: ۴۴۶

۳۶) مسلم، الصحیح الجامع، مع منۃ المنعم، ص: ۲/ ۹۵؛ نسائی، السنن، ص:۳۵۲

۳۷) بیہقی، السنن الکبری، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، طبع اوّل، ۱۹۳۵ء ص: ۸ /۲

۳۸) نسائی، السنن، ص:۳۵۰؛ ہیثمی، علی بن محمد، نورالدین، مجمع الزوائد، دارالکتب، بیروت، ص: ۳/ ۱۲۰؛ البناء احمد عبدالرحمن، الفتح الربانی لترتیب مسند احمد، خادم السنۃ السنیۃ، مصر، طبع اوّل، ۱۳۷۱ھ، ص: ۱۵/ ۶۲

۳۹) ابن ابی شیبہ، مصنف، تحقیق: سعید اللحام، دارالفکر، بیروت، ص: ۴/ ۱۶۶

* *